OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

فرانس کے ملکی قوانین اور اسلام میں بنیادی انسانی حقوق کا تقابلی جائزہ

Comparative Study of Basic Human Rights in Islamic and French National Law

محمد مدثر

پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل اسلام آباد

ABSTRACT

When we talk about human rights in Islam, we mean to say that these rights have been bestowed by Allah Almighty, they have not been granted by any emperor or any legislative assembly. The rights given by the rulers or by the legislative assemblies can be taken back in the same way in which they are conferred. If any powerful king gives rights to human beings, he can withdraw them when he is unhappy or also he can violates them when he likes. In Islam human rights have been given by Allah Almighty, no worldly legislative parliament or any government in the world has charge of amendment or change in the rights granted by God. Nobody can abolish or withdraw them. Islamic human rights are not like those rights conferred on paper just for pump and show and denied in actual life when the show is over. It is very clear that the concept of Islam in regarding human rights is based on equality, dignity, respect and justice for all human beings. The western concept of basic human rights is a manmade philosophy of laws; it may be right or wrong as it is not God gifted. Western people have done a long struggle to achieve basic human rights since Magna Carta to present age but Islamic law is bestowed by Allah Almighty. In this study, efforts are made to compare fundamental human rights in the light of Islamic teachings and French laws. Comparative and analytical research methodology is adopted in this study with qualitative approach. This study perceives that Islamic teachings have all kind of rights with duties and liberty. However, it binds the rights with duties and liberty with responsibilities, which make it distinguish to other manmade laws including French laws.

Keywords: Islamic teachings, French laws, human rights, equality, humanity, comparison

اگر پوری دنیا پر نظر دوڑائی جائے تو دو طرح کے ریاستیں نظر آتی ہیں؛ ایک سیکولر اور دوسری مذہبی۔ فرانس کا شمار ان ممالک میں سے ہے، جو سیکولر ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو چونکہ خود کو ایک سیکولر ریاست کے طور پر ڈیکلر کیا ہوا ہے اس

لئے قانون سازی کی عمل میں وہاں موجود مذہبی اقلیتوں کے لیے الگ سے قانون نہیں بنایا گیا، بلکہ بنیادی انسانی حقوق کو ہی تمام انسانوں کے لیے قانون قرار دیا گیا ہے۔

انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) سے لیکر اب تک کے موجودہ Constitutions میں سولہ بار قانون سازی کی گئی ہے۔ اس وقت فرانس میں ۱۹۵۸ء کا قانون (Constitution of ۱۹۵۸ء) نافذ العمل ہے، جس کے مطابق (آرٹیکل نمبر ا میں) فرانس کو غیر مذہبی اور لادینی ریاست (Declared) کردیا گیا ہے۔ قانون کے (Article No:1) کے مطاق فرانس ایک ناقابل تقسیم لادینی اور سماجی جمہوری ملک رہے گا۔ [1] (France shall be an indivisible secular, democratic and social republic)

بنیادی انسانی حقوق کے تقابلی جائزے کے لئے فرانس کی قانون سازی کی تاریخ میں فرانس کا پہلا انسانی حقوق کا منشور ۱۷۸۹ء منتخب کیا ہے، جو انقلاب فرانس کے بعد باقاعدہ طور پر نافذ العمل ہے اور اس قانون کو فرانس کی قانون سازی کی تاریخ میں بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد جب بھی آئین سازی کی گئی بنیادی انسانی حقوق کے اس منشور کو کسی نہ کسی شکل میں آئین کا حصہ بنایا جاتا رہا ہے۔

(Declaration of Human and Civil Rights of 26 August 1789) [2]

یہ قانونی مسودہ سترہ ۱۷(آرٹیکلز پر مشتمل ہے، جن کو نام دیا گیا ہے:

"Declaration of the Rights of Man and of the Citizen"

کا۔ اس کے آرٹیکل نمبر ا میں بنیادی نکتہ (شخصی آزادی) کا ہے، جیسا کہ واضح ہے:

Men are born and remain free and equal in rights. Social distinction may be based only on consideration of the common good[3] .

(انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور انہیں آزاد ہی رہنا چاہئیے۔ حقوق کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ البتہ معاشرتی امتیازات کا مدار صرف مفادہ عامہ پر ہوگا)۔

شخصی آزادی

اس آرٹیکل میں تین چیزوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ انسان پیدائشی طور پر آزاد ہے اور اس کی آزادی صلب نہیں کی جانی چاہیے۔ اسے آزاد رہنے کا حق ملنا چاہے۔ دوسری چیز یہ کہ انسانی حیثیت کے لحاظ سے تمام برابر ہیں اس لیے ان کو ایک جیسے بنیادی انسانی حقوق حاصل ہیں۔ تیسری چیز یہ کہ معاشرتی امتیاز بعض لوگوں کو اگر حاصل رہے گا تو وہ بھی مفادہ عامہ کی بنیاد پر ہوگا۔

آزادی کا یہی تصور اسلام نے دیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کا مشہور قول ہے جو آپؓ نے حضرت عمر بن العاصؓ والی مصر سے فرمایا تھا وہ اس بات کی وضاحت ہے کہ اسلام میں ہر انسان پیدائشی طور پر آزاد ہے۔ یعنی فطری طور پر ہر انسان آزاد پیدا ہوتا اور آزادی اس کا بنیادی حق ہے اور اس کی حق تلفی اسلام میں جائز نہیں۔ اسلام نے غلامی کو سخت ناپسند

کیا ہے اور غلاموں کو آزاد کرنا بہت بڑے ثواب کا کام بتایا ہے۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو انسانوں کی خرید و فروخت بھی ایسے ہی ہوتی تھی جیسے جانوروں کی اور غلاموں کو کسی طرح کا کوئی حق حاصل نہیں تھا ان کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر تھی، اور کافی عرصہ بعد بھی یہی سلسلہ مغربی دنیا میں جاری رہا۔

اسلام نے غلامی کی حوصلہ شکنی کی اور غلاموں کی آزادی کا ایک موثر طریقہ کار نکالا کہ بعض گناہوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی قرار دی اور اسیران جنگ کو بھی احسان کر کے یا معاوضہ لے کر چھوڑنے کی تعلیمات قرآن نے دی ہیں۔ اسی بنا پر حضور ﷺ نے قبیلہ بنی ہوازن کے اکٹھے چھ ہزار قیدی بلا معاوضہ آزاد کر دیے تھے۔ اس کے بعد رحلت تک ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ حضور ﷺ نے کسی کو غلام بنایا ہو۔ بلکہ حضور ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی غلاموں کے حقوق اور ان سے بہتر سلوک کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی:

(أَرِقَّاءَكُمْ، أَرِقَّاءَكُمْ، أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَاكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ، وَإِنْ جَاءُوا بِذَنْبٍ لَا تُرِيدُونَ، أَنْ تَغْفِرُوهُ، فَبِيعُوا عِبَادَ اللَّهِ، وَلَا تُعَذِّبُوا عِبَادَ اللَّهِ وَلَا تُعَذِّبُوهُمْ)(4)

(اگر وہ ایسی غلطی کریں جسے تم معاف نہیں کر سکتے دیکھ کر تو اللہ کے بندو انہیں اس فروخت کر دو مگر انہیں بھیانک سزا مت دو اور ان کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں جو لونڈیاں تمہارے پاس ہیں ان کو وہ کھلاؤ اور پہناؤ جو تم خود کھاتے پیتے ہو)۔

حضرت بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کو مجلس نبوی ﷺ میں بلند مقام حاصل تھا حالانکہ یہ سب آزاد کردہ غلام ہی تھے۔ اسلام نے غلامی کی اس قدر حوصلہ شکنی کی کہ غلاموں کو دیگر آزاد انسانوں کے ہم پلہ بنا کر ان جیسے حقوق عطا کیے۔

تیسری چیز اس آرٹیکل میں معاشرتی امتیازات ہیں یہ بات اسلامی نقطۂ نگاہ کے برعکس ہے اسلام مساوات کا درس دیتا ہے اور معاشرتی، خاندانی، لسانی ہر طرح کے امتیازات کے خلاف ہے۔ کوئی کسی پر فضیلت نہیں رکھتا سب برابر ہیں اگر کسی کو اسلام میں دوسرے سے بلند مقام حاصل ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ حضور ﷺ نے اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے متعلق ارشاد فرمایا:

(أَنَا أَحَقُّ مَنْ أَوْفَى بِذِمَّتِهِ)(5)

(وہ غیر مسلم ذمی جو اپنی ذمہ داری پورا کرتے ہیں، ان کی جان و مال کی حفاظت کرنا میرا اہم فریضہ ہے)۔

اسلام میں تمام دیوانی معاملات میں مسلم و غیر مسلم برابر ہیں جزا و سزا میں۔

آرٹیکل نمبر ۲ اور حق ملکیت

The aim of every political association is the preservation of the natural and imprescriptible rights of man. The rights are liberty, property, safety and resistance to oppression.

(تمام شہری انجمنوں کا مقصد انسانوں کے فطری اور لازوال حقوق کا تحفظ ہے۔یعنی حقوق آزادی، حقوق ملکیت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق)۔

اس آرٹیکل میں تین بنیادی انسانی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔آزادی، ملکیت کا حق اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق۔

آزادی کے متعلق آرٹیکل نمبر ایک میں اوپر بحث گزر چکی ہے۔یہاں صرف حقِ ملکیت کے حوالے سے بات کو آگے بڑھاتے ہیں،وہ یہ کہ اسلام میں ہر انسان کو حق ملکیت حاصل ہے، حتی کہ غیر مسلم شہریوں کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ صلح کرتے ہوئے یہ واضح طور پر درج فرمایا تھا:

(ولنَجْرَانَ وحاشيتهم جِوَارُ اللَّهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ ---وَكُلُّ مَا تَحْتَ أَيْدِيهِمْ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ)[6]

(نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ حاصل ہوگی، ان کی جانیں، ان کی ملت، زمین اور اموال۔۔۔اور ان کی زیر ملکیت ہر چھوٹی بڑی چیز کی حفاظت کی جائے گی)۔

ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق

مذکورہ آرٹیکل کے اندر تیسری چیز ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق ہے۔اس سلسلے میں اسلام کا موقف واضح ہے۔اگر کسی بھی شخص کے ساتھ ظلم وزیادتی ہو رہی ہو تو اسلام اس کو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا پورا حق دیتا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾[7]

(اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ انسان بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو)

یعنی اسلام میں بدگوئی کو ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اسلام نے اعلیٰ اخلاقی تعلیمات دی ہیں لیکن اگر ظالم کا ظلم حد سے بڑھ جائے تو ظالم کے خلاف بدگوئی بھی قابل معافی ہے۔کیونکہ یہ انسانی کی اضطراری کیفیت ہوتی ہے اس میں صبر و تحمل کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

(إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)[8]

(بہترین جہاد جابر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے)۔

ظلم اور ظالم کے خلاف آواز اٹھانے اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرانے کی اسلام بھرپور حمایت کرتا ہے۔اور سیرتِ نبوی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

آرٹیکل نمبر ۳ اور اقتدارِ اعلیٰ: Sovereignty

The principle of any sovereignty lays primarily in the nation no corporate body; no individual may exercise any authority that does not expressly emanate from it.

(قوم لازماً تمام تر اقتدار کا سرچشمہ ہے، اس کے علاوہ کوئی شخص یا مجموعہ اشخاص کسی اقتدار و اختیار کا حامل نہیں ہو سکتا۔ الایہ کہ اس کا اختیار واضح طور پر مقتدر اعلیٰ سے ہی ماخوذ و مستفاد ہو)۔

اس آرٹیکل میں اقتدار کا تمام تر سرچشمہ عوام کو قرار دیا گیا ہے، جو کہ اسلامی قانون و تعلیمات کے برعکس ہے۔ اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا مالک خود اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان تو بس اس کا نائب اور جو اختیارات اس کے پاس ہیں، وہ محض اللہ کی طرف سے ایک امانت ہیں، اس لیے حاکم امین ہوتا ہے اور رعایا پر خدا کے قانون کو نافذ کرنا اس کا فرض ہے۔ خدا کے حضور وہ اس کا جوابدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾[9]

(اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[۱۰]

(اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو (رسول اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ (ا) پھر اگر کسی چیز پر اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔)

﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾[11]

(اللہ مشرق و مغرب کا رب ہے)۔

یعنی اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ خود ہے۔ اسلام کا نظام حکومت اور نظام انتخاب اولی الامر مغربی نظام انتخاب سے بالکل مختلف ہے۔ مغرب میں جمہوریت ذریعہ انتخاب ہے ووٹنگ جس میں جاہل اور عالم وفاضل سب کا ووٹ برابر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ اسلام میں اولی الامر کا انتخاب اہل علم و دانش اور اصحاب حل وعقد کرتے ہیں اور عوام اولی الامر کی انتخاب کے بعد بیعت کرتے ہیں کہ وہ شریعت کے مطابق اس امام وحاکم کے احکام کی اطاعت کریں گے۔

مغربی جمہوریت کے نظام میں اقلیتی فرد کبھی بھی حاکم نہیں بن سکتا اور نہ ہی اپنے حقوق کے لیے اقلیتیں کامیاب کوشش کر کے قانون سازی کرواسکتی ہیں کیونکہ جمہوری نظام میں قانون کثرت رائے سے پاس ہونے کے بعد عملی نظام کا حصہ بنتا ہے، جبکہ اقلیت اس نظام میں ہمیشہ اکثریت کے ماتحت زندگی گزارنے پر مجبور رہتی ہے۔

آرٹیکل نمبر ۴ کی رو سے آزادی کی حدود و قیود

Liberty consists in being all to do anything that does not harm others. Thus, the exercise of the natural rights of every man has no bounds other than

those that ensure to other members of society the enjoyment of these same rights. These bounds may less determined only by law.

(آزادی کی وسعت کا انحصار اس حد تک ہے جہاں تک کہ وہ دوسرے کی آزادی کے لیے ضرر رساں نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق ہر شخص اپنے بنیادی حقوق سے استفادہ کرنے میں آزاد ہو اور ان حدود کا تعین صرف قانون سے ہی ہو سکتا ہے)۔

اس آرٹیکل میں انسانی آزادی کی حد کا تعین کیا گیا ہے کہ انسان کی آزادی کا مطلب مادر پدر اور بے لگام آزادی ہر گز نہیں جو دوسروں کی آزادی میں خلل پیدا کرے۔ بلکہ وہ مخصوص حدود و قیود جن کا تعین قانون نے کیا ہے، انہیں کے اندر رہ کر اپنی آزادی سے لطف اندوز ہو گا۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق تمام انسان آزاد ہیں اور آزاد ہونا ان کا فطری حق ہے۔ اسلام انسان کو غیر مقید آزادی نہیں دیتا کہ وہ جو چاہے جو کرتا پھرے، اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ اسلام نے انسان کے لیے جو حدود و قیود متعین کی ہیں اور ان کی پابندی اس پر لازم ہے اور اگر نافرمانی کرے گا تو اس کی سزا ملے گی۔ جبکہ شیطان (ابلیس) پہلے خدا کی عبادت و ریاضت کرتا تھا مگر خدا نے جب اسی کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے تکبر کیا اور حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ تو اللہ نے فرمایا:

﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَه مِنْ طِيْنٍ﴾[۱۲]

(فرمایا (اے ابلیس) تجھے کس (بات) نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس نے کہا میں اس (آدم) سے بہتر ہوں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا اور مجھے آگ سے پیدا کیا)، تو اللہ نے فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾[۱۳]

(نکل جا بے شک تو ذلیل خوار لوگوں میں سے ہے)۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس تعقل پسند تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کرنا اس کی شان شایان نہیں ہے کیونکہ بطور تخلیق میں آدمؑ سے برتر ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی انسان خود کو اعلیٰ و برتر خیال کرے اور دوسروں کے حقوق میں دخل اندازی کرے کہ یہ میرا حق ہے تو اس کی عقل کا فیصلہ حقیقت کا فیصلہ نہ ہو گا اور نہ ہی اس کی عقل نے جو فیصلہ کیا وہ اس کا حق بن جائے گا۔ ہر گز نہیں! بلکہ اسلام نے انسان کے جو حقوق متعین کیے ہیں اور اس پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان کی پابندی کرنا اس پر فرض اور لازم ہے۔ جب وہ اپنے فرائض ادا کرے گا تو دوسروں کے حقوق ان کو خود ہی مل جائیں گے۔ کیونکہ جو ایک کا فرض ہوتا ہے وہ دوسرے کا حق ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام حقوق کی بجائے فرائض کی ادائیگی پر زیادہ زور دیتا ہے۔

آرٹیکل نمبر ۵ اور قانون کی پابندیاں

The law has the right to forbid only those actions that are injurious to society. Nothing that is not forbidden by law may be hindered, and no one may be compelled to do what the law does not ordain.

(قانون کی نظر میں وہی باتیں معیوب و ممنوع ہونی چاہیں جو معاشرہ کے لیے ضرر رساں ہیں اور جن کی ممانعت قانون میں نہ ہو ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ نہ ہی کسی شخص کو ایسی بات پر مجبور کیا جانا چاہے جس کا مطالبہ قانون کے طرف سے نہ ہو)۔

انسان کے لیے کیا چیزیں مفید ہیں اور کیا ضرر رساں ہیں؟ یہ اس خالق سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا، جس نے انسان کو تخلیق کیا ہے۔ اسلامی اور مغربی قانون میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ مغربی قانون کے خالق اور بنانے والے مغربی لوگ خود ہیں، جبکہ اسلامی قانون کا خالق اللہ تعالیٰ خود ہے۔ اس کی پابندی سے تمام انسانوں کے حقوق کا تعین اور تحفظ یقینی ہوتا ہے۔ اس لیے اسلامی قوانین کسی خاص، قوم، ملک، نسل، وقت یا آبادی کے لیے نہیں، بلکہ یہ پوری انسانیت کے لیے تا قیامت ہیں۔

آرٹیکل نمبر ۶ کی رو سے قانون سازی کا اختیار

The law is the expression of general will. All citizens have the right to take part, personally or through their representatives, in its making. It must be the same for all, whether it protects or punishes. All citizens having equal in its eyes shall be equally eligible to all high offices, public positions and employments, according to their ability and without other distinction than that of their virtues and talents.

(قانون لوگوں کی مشترکہ اور متفقہ مرضی کا اظہار ہوتا ہے۔ تمام شہریوں کو اس میں شرکت کا حق ہے۔ کوئی فرد اس کی تشکیل میں خواہ ذاتی طور پر شریک ہو یا نمائندگی کے ذریعے قانون سب کے لئے یکساں ہونا چاہیے۔ خواہ وہ تحفظ کے لئے ہو یا سزا کے لئے اور سب اس کی نظر میں برابر ہیں اور جملہ اعزازات، مقامات اور مناسب کے لئے سب اپنی مختلف صلاحیتوں اور طباعی ذہانتوں کے علاوہ کوئی دوسرا امر وجہ امتیاز نہیں ہونا چاہیے)۔

اس آرٹیکل میں بتایا گیا ہے کہ قانون لوگوں کی مشترکہ مرضی سے تخلیق پائے گا۔ بالفاظِ دیگر قانون لوگوں کی طبع اور مرضی کے مطابق ہوتا ہے اور قانون بنانے میں لوگ بلواسطہ یا بلاواسطہ شریک ہونے چاہیں۔ یہ بات حقیقت کے برعکس ہے اگر قانون لوگوں کی مرضی پر چھوڑا جائے تو کوئی بھی شخص ایسے قانون بنانے کی حمایت نہیں کرے گا جس سے اس کی پکڑ ہو یا اسے سزا ملنے کا اندیشہ ہو۔

دوسری بات یہ کہ اگر قانون کثرتِ رائے کے مطابق بنایا جائے تو ملک کی اکثریت اپنی طبع اور خواہش اور اپنے مفادات کے مطابق قانون سازی کروائے گی، جس میں اقلیتوں کی حق تلفی ہوگی اور کبھی بھی ایسا کوئی قانون نہیں بن پائے گا جو اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔

اسلام نے نسب، رنگ، ذات، قومیت، زبان اور عقیدے کا امتیاز کیے بغیر تمام انسانوں کو سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مساوات کا حق عطا کیا ہے۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (۱۴)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے)۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کسی فرد کو دوسرے پر کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے۔ اسلامی ریاست غیر مسلم شہریوں کو ان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مطابق مختلف عہدوں پر فائز کر سکتی ہے، سوائے ان مناسب کے جن کا تعلق دین اسلام کے ساتھ ہو جو صرف اور صرف مسلمانوں کا حق ہیں۔ مثلاً اولی الامر، افواج کا سربراہ اور چیف جسٹس وغیرہ۔

آرٹیکل نمبر ۷ کی رو سے حراست، قید اور سزا کی شرائط

No man may be accused, arrested or detained except in the cases determined by the law, and following the procedure that it has prescribed those who solicit, expedite, carry out or cause to be carried out arbitrary orders must be punished, but any citizen summoned or apprehended by virtue of the law, must give instant obedience, resistance make him guilty.

(سوائے ان صورتوں کے جو قانون متعین کرے اور ان طریقوں کے جن کا قانون نے حکم دیا ہے، کسی شخص پر نہ کوئی جرم عائد کیا جائے گا نہ اس کو قید کیا جائے گا اور نہ جیل میں بند کیا جائے گا۔ تمام وہ لوگ جو من مانے احکام کا مشورہ دیں، حمایت کریں، ان کا نفاذ کریں یا نفاذ کرائیں ان کو سزا ملنی چاہیے اور ہر شہری جس کو قانون کی رو سے عدالت میں طلب کیا جائے یا حراست میں لیا جائے فوری طور پر اس کی تعمیل کرنی چاہے اور اگر وہ مزاحمت کرے تو سزا کا مستوجب ہو گا)۔

اس آرٹیکل میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ بغیر جرم کے کسی بھی شہری کو نہ تو حراست میں لیا جائے گا اور نہ ہی سزا دی جائے گی اور اگر کسی پر شک ظاہر کیا گیا ہو تو اس شخص کو قانون کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی چاہیے اور اپنی بے گناہی ثابت کرنا ہو گی۔

اسلام میں ہر شخص اپنے اعمال و افعال کا خود ذمہ دار ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو دوسرے کی غلطی یا جرم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ جو شخص غلطی کرے گا سزا بھی وہی بھگتے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰي﴾(۱۵)

(ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾(۱۶)

(اگر کوئی بوجھ میں دبا ہو تو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو بلائے تو اس کے بوجھ میں سے کوئی کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہو)۔

﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾(۱۷)

(جو کوئی راہ ہدایت اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے فائدے کے لئے راہ ہدایت پر چلتا ہے۔ اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے (گناہوں کا) بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور ہم ہر گز عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم (اس قوم میں) کسی رسول کو بھیج دیں)۔

اسلامی قانون کے مطابق صرف تہمت کی بنا پر بھی کسی کو نہ تو گرفتار کیا جائے گا اور نہ حراست میں لیا جا سکتا ہے۔ گرفتاری سے قبل مکمل تحقیقات کو ضروری قرار دیا گیا ہے کیونکہ بغیر جرم کے ثبوت کے گرفتار کیا جانا غیر اخلاقی ہے اور اس سے اس شخص کی عزت مجروح ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

آرٹیکل نمبر ۸ کی رو سے جرمانہ سزا یا تاوان

The law must prescribe only the punishments that are strictly and evidently necessary, and no one may be punished except by virtue of a law drawn up and promulgated before the defense is committed and legally applied.

(قانوناً جرمانہ یا تاوان صرف اسی طرح کا اور اسی قدر عائد کیا جانا چاہیے جو مطلقاً اور صراحتاً ضروری اور لازمی ہو اور کسی شخص کو بھی سزا نہیں دینی چاہیے سوائے اس قانون کی رو سے جو جرم ثابت ہونے سے پہلے نافذ ہو اور جس کا قانونی اطلاق ہو سکتا ہو)۔

یعنی بعض جرائم ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں جسمانی سزا کی بجائے مالی سزا دی جاتی ہے۔ جیسا کہ اسلام میں بھی مختلف گناہوں کا کفارہ ہے جیسے قسم توڑنے کا کفارہ وغیرہ۔ یا اگر کوئی شخص سرکاری املاک کو نقصان پہنچاتا ہے تو اس کو اس جرم میں بطور تاوان جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن اس عمل کے دوران دو چیزوں کو مد نظر دیکھا جاتا ہے۔ پہلی چیز یہ کہ مجرم نے جتنا جرم کیا ہے تاوان اسی حساب سے اس سے طلب کیا جائے گا اور مجرم کی مالی حالت کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے، جیسا کہ اسلام میں قسم توڑنے کا کفارہ، غلام آزاد کرنا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا روزے رکھنا یعنی امیر جو استطاعت رکھتا ہو وہ غلام آزاد کرے، اس سے کم طاقت والا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور جو مالی طور پر کمزور ہو وہ روزے رکھے۔ بعض دفعہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کی املاک کا نقصان کرتا ہے تو عدالت بدلے میں بطور تلافی نقصان پہنچانے والے کو اتنا جرمانہ عائد کرے گی جس سے دوسرے فرد کا نقصان پورا ہو جائے۔ اس ضمن میں زیادتی نہیں کی جائے گی۔

جن جرائم کا کفارہ مقرر ہے اس حد سے تجاوز نہیں کیا جائے گا اس قانون میں اقلیت اور اکثریت کے مابین فرق نہیں کیا جائے گا جہاں معاملہ حقوق العباد کا ہو گا اس میں مسلم اور غیر مسلم شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں۔

آرٹیکل نمبر ۹ کی رو سے عزت نفس و تکریم

As every man is presumed innocent until he has been declared guilty for it should be considered necessary to arrest him, any undue harshness that is not required to secure his person must be severely curbed by law.

(چونکہ ہر شخص معصوم ہے جب تک کہ وہ مجرم ثابت نہ ہو جائے۔ اس لیے جب کبھی اس کی گرفتاری ناگزیر ہو جائے تو قانوناً اسے ایسی مدد بہم فراہم کی جائے جو اس کی شخصیت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے)۔

مندرجہ بالا آرٹیکل میں بتایا گیا ہے کہ محض شک کی بنا پر کسی شہری کو مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ ہی زیرِ حراست رکھا جا سکتا ہے۔ اگر شک ہو تو تفتیش اور پوچھ گچھ کا ایسا طریقہ کار اپنایا جانا چاہیے کہ جس سے اس کی عزت مجروح نہ ہو۔

اسلامی قانون ہر شہری کو عزت وآبرو کی حفاظت کا حق عطا کرتا ہے۔ اور تحفظ آبرو کے اس حق کو کسی صورت میں بھی پامال کیے جانے کی اجازت نہیں دیتا اس لیے ایسا کوئی قانون لاگو نہیں کیا جائے گا جس سے کسی شہری کی عزت وآبرو پامال ہونے کی راہ نکلتی ہو۔ اس لیے اسلام محض شک کی بنا پر کسی کو زیر حراست لینے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام تو غیر ضروری شک کو بھی خلاف شرع قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾(۱۸)

(اے ایمان والو! بیشتر بدگمانیوں سے بچتے رہو بے شک بعض بدگمانیاں گناہ (کا موجب) ہوتی ہیں اور (کسی کی برائی کے) کھوج میں نہ لگے رہا کرو اور نہ ایک دوسرے کو اس کی پیٹھ پیچھے برا کہا کرو)۔

شخصی عزت وقار کے تحفظ کے لئے قرآن حکیم کسی پر جھوٹا الزام لگانا اور بہتان تراشی کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اور قابل سزا جرم ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (۱۹)

(اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انھیں اسّی درے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان لوگ ہیں)۔

یہ سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ جب کسی معصوم انسان پر کوئی جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے تو اس کی معاشرے میں عزت پامال ہوتی ہے۔ لہذا اسلام میں دوسروں پر بے جا شک کرنے اور ان پر جھوٹے الزام لگانے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

آرٹیکل نمبر ۱۰ کی رو سے مذہبی آزادی

No one may be disturbed on account of his opinion, even religious one, as long as the manifestation of such opinion does not interfere with the established law and order.

(کسی شخص کے معاملہ میں اس کے خیالات اور آرا کی بنا پر دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ نہ ہی اس کے مذہبی خیالات اور عقائد کی بنا پر جب تک کہ ان خیالات وعقائد کے اقرار واعلان سرکاری نظم وضبط کے انتشار کا باعث نہ بنے)۔

اس آرٹیکل میں دو چیزوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ دوسروں کے نجی معاملات میں بے جا دخل اندازی نہ کی جائے اور دوسرا اقلیتوں یا تمام شہریوں کے مذہبی معاملات میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے ان کو مذہبی آزادی کا حق دیا جائے۔

اسلام بلا تفریق رنگ و نسل و عقیدہ کے تمام شہریوں کو نجی زندگی اور آزادی کا حق دیتا ہے اور دوسروں کی بے جا مداخلت کو ناپسند کرتا ہے۔ جیسا کہ گھر انسان کی نجی سرگرمیوں کا مرکز ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا﴾ (۲۰)

(مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں ان کے اجازت لیے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لیے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو)

اسلام نے ہر فرد کو چاہے وہ جس بھی عقیدے سے تعلق رکھتا ہو مکمل مذہبی آزادی کا حق دیا ہے۔ اور تبدیلی مذہب پر کسی کو مجبور کرنا ناجائز عمل قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾(۲۱)

(دین میں کوئی جبر نہیں بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے)۔

اور دوسرے مقام پر حضور ﷺ کو بتایا گیا ہے۔

﴿وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّھُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾(۲۲)

(اے محمد! (ﷺ) اگر آپ کے پروردگار کی مرضی ہوتی تو تمام کفار ایمان لے آتے لہذا جب یہ بات ہے تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ایمان لائیں؟)۔

آرٹیکل نمبر ۱۱ کی رو سے آزادیء اظہار رائے کی حدود و قیود

The free communication of the ideas and opinions are one of the most precious rights of man. Any citizen may therefore speak, write and publish freely, except what is tantamount to the determined by law.

(خیالات و افکار کی بلا روک ترسیل و اشاعت چونکہ انسان کا انتہائی قیمتی بنیادی حق ہے اس لیے ہر شہری اپنی تقریر، تحریر اور اس کی طباعت و اشاعت میں آزاد ہے، بشرطیکہ وہ بے لگام آزادی کی خرابیوں کا خود ذمہ دار ہے۔ ان معاملات میں جن کا تعین قانون نے کر دیا ہے)۔

اسلامی ریاست شہریوں کو آزادی اظہار رائے کا مکمل حق دیتی ہے کہ وہ برائی کی روک تھام اور بھلائی کی ترویج میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾(۲۳)

(وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)۔

جب برائی سے روکنے اور بھلائی کا حکم دینے کی آزادی ہو گی تو تمام شہری اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے خطبۂ خلافت میں اظہار رائے کی آزادی کے حق کا یوں اعلان کیا:

(أما بعد ! أيها الناس ، قد وليت أمركم ولست بخيركم ...إنما أنا متبع ولست بمبتدع ، فإن أحسنت فأعينوني ، وإن زغت فقوموني)(۲٤)

(اما بعد! اے لوگو! مجھے تمہاری قیادت کی ذمہ داری دی گئی ہے، حالانکہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں۔۔۔میں شریعت کی اتباع کرنے والا ہوں۔ کوئی نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو۔ اگر میں منحرف ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو)

حضرت عمر فاروقؓ کا اعلان عام تھا: جس کسی کو ضرورت پیش آئے، یا اس پر ظلم کیا جائے یا میری کسی بات پر ناراض ہو تو مجھے اطلاع کردے، میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں[25]۔

اسلام مطلقاً آزادی اظہار رائے نہیں دیتا کہ انسان کے دل میں جو آئے وہ اس کا کھلے عام اظہار کرتا پھرے بلکہ اسلام نے رائے کے اظہار کے لیے حدود و قیود قائم کی ہیں۔ اگر حاکم دیکھے کہ کسی شخص کی آزادی رائے سے فتنہ وفساد پھیلنے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے تو وہ اس کی اظہار رائے پر پابندی لگا سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک واقعہ دکتور عبدالکریم نے اپنی کتاب ''الحريات العامة في الفكر والنظام السياسى'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو ربذہ کی طرف بھیج دیا تھا کیونکہ ان کی شعلہ بیانی کی وجہ سے نظام ریاست میں خلل کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اسلامی ریاست میں اس طرح کی آزادی اظہار رائے نہ دی جائے گی جس سے نفسانی خواہشات، بدعت اور گمراہی کو فروغ ملے۔

آرٹیکل نمبر ۱۲ کی رو سے انسان کی بحیثیت

To guarantee the rights of man and of the citizen, a public force is necessary; this force is therefore established for the benefit of all and not for the particular use of those whom it is entrusted.

(انسانوں اور شہریوں کے حقوق کو تحفظ دینے کے لیے ضروری ہے کہ مضبوط نظام حکومت ہو۔ وہ نظام قانون کو ملک و معاشرے پر نافذ کرے۔ اس لیے حکومت کا فرض ہے کہ وہ قانون کو سب پر نافذ العمل بنائے، لیکن یہ بات درست نہیں سرکاری عہدہ داران جن کا کام عوام کی خدمت کرنا اور قانون نافذ کرنا ہوتا ہے وہ اپنے عہدے سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے ذاتی فوائد حاصل کرنے لگیں)۔ یعنی اس آرٹیکل کی رو سے بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔

اسلام نے حکام کو عوام کے خدمتگار قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے بہادر انسان جب خلیفۃ المسلمین بنتے ہیں تو حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ ان کو ایک خط لکھتے ہیں، جس میں وہ حضرت عمرؓ کو خلافت کی ذمہ داریوں اور آخرت کی جوابدہی کا احساس ان الفاظ میں یاد دلاتے ہیں: ''ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے کہ ہمارے اس خط کو آپ وہ حیثیت نہ دیں جو اس کی حقیقی حیثیت ہے۔ ہم نے یہ خط خیر خواہی اور اخلاص کے جذبہ سے لکھا ہے''۔ جواب میں حضرت عمرؓ نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا ''تم دونوں کی تحریریں صداقت سے بھرپور ہیں۔ ان جیسے مکتوبات کی مجھے ضرورت ہے لہذا تم مجھے خط لکھتے رہا کرو''۔[26]

اسلام اس بات کی بالکل بھی اجازت نہیں دیتا کہ صاحب اختیار لوگ عوام الناس پر اپنے اختیار کو غلط استعمال کریں اس کی مثال حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ کا مشہور واقعہ ہے جب والی مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک ذمی کو ناحق

تھپڑ مارا، جس کی شکایت پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو بیٹے سمیت طلب کیا اور مصری سے اسی قدر سزا دلوائی جس قدر اس کو دی گئی تھی۔ پھر حضرت عمرو بن عاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

(یاعمرو! متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا) (۲۷)

(اے عمرو کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنالیا ہے حالانکہ ان کو ماؤں نے آزاد جنا ہے)۔

آرٹیکل نمبر ۱۳ کی رو سے حکومتی اخراجات کے لیے وصولی ٹیکس

For the maintenance of the public force, and for the administrative expenses, a general tax is indispensable; it must be equally distributed among all citizens, in proportion to their ability to pay.

(سرکاری قوت کو مدد پہنچانے اور حکومت کے دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لئے ایک مشترکہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا یہ رقم معاشرہ کے جملہ ارکان پر ان حیثیت کے مطابق مساوی طور پر وصول کی جانی چاہیے)۔

آرٹیکل نمبر ۱۴ کی رو سے حقِ احتساب

All citizen have the right to ascertain, by themselves or through their representatives, the need for a public tax, to consent to it freely, to watch basis, collection and duration.

(سرکاری عطیہ کی ضرورت وحاجت، اس کے جواز، مقدار، طریقۂ تشخیص اور مدت کے تعین کے سلسلہ میں ہر شہری خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے)۔

آرٹیکل تیرہ میں بتایا گیا ہے کہ کیونکہ حکومت کے بہت سے اخراجات ہوتے ہیں مثلاً دفاعی اخراجات، انتظامی اخراجات اور ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ جو ملکی خزانے سے ادا کیے جاتے ہیں ان اخراجات کی عوام سے وصولی کی جاتی ہے کیونکہ یہ چیزیں عوام کی بھلائی کے لیے ہوتی ہیں، لیکن وصولی عطیہ میں انصاف کا پہلو مدِ نظر رکھنا چاہیے اور عوام الناس پر ان کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس وصول کرنا چاہیے۔ جبکہ آرٹیکل چودہ میں بتایا گیا ہے سرکاری خزانے میں اکھٹے ہونے والے مال کے تصرفات کے بارے میں عوام الناس سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں وہ جب چاہیں حکومتی نمائندوں سے اس کے بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ٹیکس کی مقدار کا تعین بھی ان کی مشاورت سے کیا جائے گا۔ نظام حکومت چلانے اور پسماندہ شہریوں کی مدد اور عوام الناس کی فلاح وبہبود اور ملکی دفاع کے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور اسلام کا صدقات وزکوۃ، عشور اور جزیہ وخراج کا ایک باقاعدہ نظام ہے، جس کے ذریعہ یہ سارا سرمایہ بیت المال المسلمین میں اکھٹا کیا جاتا ہے اور اسکے تصرفات کا بھی ایک طے شدہ طریقہ کار ہے، جس کے ذریعے اس کے ثمرات رعایا کو دیے جاتے ہیں۔

اسلام نے مسلم شہریوں پر سالانہ صاحب حیثیت پر اڑھائی فیصد زکوۃ اور زرعی پیداوار پر عشر (20٪) اگر زمین کو خود سیراب کرتے ہیں۔ اور اگر قدرتی پانی سے فصل سیراب ہوتی ہو تو اس پیداوار کا دسواں حصہ بطور عشر ادا کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ ریاست کے غیر مسلم شہریوں پر ایک مخصوص جزیہ ہوتا ہے جو حیثیت کے مطابق سالانہ ان سے وصول کیا جاتا۔ حضرت

عمرؓ نے اہل سواد پر سالانہ ۱۲۔ ۲۴۔ ۴۸ درہم جزیہ نافذ کیا تھا۔ یعنی کمزور لوگ صرف ۱۲ درہم سال بعد اور متوسط ۲۴ درہم اور امیر ۴۸ درہم سال بعد بیت المال میں جزیہ جمع کروائیں گے۔ اس کے علاوہ ان پر زرعی پیداوار میں عشر کی بجائے خراج وصول کیا جاتا ہے جبکہ خیبر کی زمینوں پر حضور ﷺ نے نصف پیداوار بطور خراج وصول کیا تھا۔ اس کے علاوہ مخصوص مقدار میں تجارتی محصول بھی وصول کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں نقل کیا ہے کہ ذمی سے ۲۰/۱ اور مستامن سے ۱۰/۱ اور مسلمان تاجروں سے ۴۰/۱ بطور تجارتی محصول وصول کیا جاتا تھا[۲۸]۔

جزیہ بھی صرف جنگ کے قابل مردوں پر نافذ تھا، خواتین، بچے۔ بوڑھے، معذور اور مذہبی ذمہ داران جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ اگر زمین کی پیداوار کم ہوتی یا آسمانی آفات سے خراب ہو جاتی تو اس صورت بھی خراج معاف ہو جاتا تھا۔

المختصر ہر طرح کی وصولی کا انحصار مالی حیثیت کے مطابق تھا۔

آرٹیکل نمبر ۱۵ کی رو سے معاشرے کا مطالبہ احتساب

Society has the right to ask public officials for an accounting of his administration.

(سماج کو اپنے تمام ارکان کے رویہ اور کردار کے احتساب کا حق حاصل ہے۔)

اسلام اس تناظر میں اپنے ماننے والوں کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے ایسے حکمران کو معذول کریں جو ان کے عقیدے اور منشاء کے مطابق حکمرانی نہ کرتے ہوں۔ بالفاظ دیگر مسلم شہری نسب وعزل کے حقوقِ (احتساب) رکھتے ہیں۔

آرٹیکل نمبر ۱۶ کی رو سے بنیادی حقوق کا تحفظ

Any society is which no provision is made for guaranteeing rights or for the separation of powers has no constitutions.

(ایک ایسے معاشرہ کے لیے دستور کی ضرورت ہے، جہاں بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ حاصل نہ ہو اور نہ ہی تقسیم اختیارات موجود ہو۔)

آرٹیکل پندرہ میں بتایا گیا ہے کہ پبلک میں سے ہر گروہ سے تعلق رکھنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کے رویے اور کردار کے بارے میں احتساب کریں۔

اسلام میں امراء اور حکام کا احتساب کے لیے خود کو پیش کرنا، ایک نبوی سنت اور مستحسن عمل سمجھا جاتا ہے اور عوام الناس کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے حکام کا احتساب کریں۔ حضور ﷺ نے خود کو مثال بناتے ہوئے احتساب کے لیے اسید بن حضرؓ کے سامنے پیش ہوئے۔

«فَطَعَنَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي خَاصِرَتِهِ بِعُودٍ فَقَالَ: اصْبِطْنِي قَالَ:« اصْطَبِرْ » قَالَ: إِنَّ عَلَيْكَ قَمِيصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ قَمِيصِهِ فَاحْتَضَنَهُ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ قَالَ: إِنَّمَا أَرَدْتُ هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَوْلُهُ اصْبِرْنِي يُرِيدُ أَقِدْنِي مِنْ نَفْسِكَ وَقَوْلُهُ:« اصْطَبِرْ ». مَعْنَاهُ اسْتَقِدْ»[۲۹]

(حضور ﷺ نے ان کی کوکھ میں لکڑی کی ایک ٹھونک لگائی اسیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس کا بدلا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چلو بدلہ لے لو۔ اسیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کرتہ زیب تن کیے ہوئے ہیں، جبکہ میں تو برہنہ جسم تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا کرتہ مبارک اٹھایا تو حضرت اسیدؓ آپ ﷺ سے چمٹ گئے اور پہلو مبارک کا بوسہ لینے لگے، پھر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا یہی مقصد تھا)۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دو جہاں کے سردار خاتم الرسول ﷺ نے خود کو احتساب کے لئے پیش کیا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے خود احتسابی کے لیے عوام الناس کو کھلی اجازت دے رکھی تھی۔ عالم یہ تھا کہ 24 لاکھ مربع میل کے حکمران کو لوگ راہ چلنے یا بھری مجلس میں بآواز بلند روک ٹوک لیتے تھے، آپؓ سے اپنی شکایت کنندہ کی بات دھیان سے سنتے۔ درمیان میں کسی کو بات ٹوکنے کی اجازت نہ دیتے اور پھر کاروائی عمل میں لاتے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن سعیدؓ ابو موسیٰ اشعریؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ جیسے گورنروں کے خلاف آپؓ بر سر عام شکایتیں سنتے اور ان کا تدارک فرماتے۔ اپنے جسم کی دو چادروں کا حساب بھی بھرے مجمع میں دیا۔ اس کے علاوہ حق مہر کی حد مقرر کرنا چاہی تو خطبہ جمعۃ المبارک کے عین موقع پر ایک خاتون نے آپؓ سے اس بات پر اختلاف کیا اور حضرت عمرؓ نے اپنے اس فیصلہ سے رجوع فرمایا[30]۔

آرٹیکل نمبر ۱۷ کی رو سے نجی ملکیت کا حق

Since the right to property is inviolable and sacred, no one may be deprived thereof, unless public necessity, legally ascertained, obviously requires it, and just and prior indemnity has been paid.

(حق ملکیت محترم و مقدس ہے۔ لہذا کسی کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ سرکاری ضرورت ناگزیر ہو یا قانوناً اس کا تقاضا موجود ہو یا کسی سابقہ جائز تاوان کی ادائیگی ثابت ہو۔)

اسلام میں وہ تمام نجی املاک جو جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہوں اور شریعت کی طرف سے مقرر کردہ تمام حقوق واجبات ان میں سے ادا کیے گئے ہوں، تو وہ جائیداد حکومت کی مداخلت سے قطعی طور پر محفوظ ہو گی اور اس کے مالک کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہوں گے:

۱۔ استعمال اور تصرف کا حق

۲۔ مزید منافع کمانے کے لیے کاروبار میں لگانے کا حق

۳۔ انتقال ملکیت کا حق

۴۔ تحفظ ملکیت کا حق

اس ضمن میں قرآن مجید دوسروں کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے کو حرام قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[۳۱]

(اور تم ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ)

اسلام مرد اور عورت دونوں کو ملکیت کا یہ حق عطا کرتا ہے۔

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْـَٔــلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾[۳۲]

(اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو، جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے فضل مانگا کرو، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔

خلاصہ بحث

۱۔ اس سے اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اسلام ہی دنیا کا وہ واحد دین ہے جس نے تمام تر بنیادی انسانی حقیقت بلا تفریق مذہب، عقیدہ، رنگ و نسل، قوم و ملک اور حاکم و رعایا کے سبھی کو عطا کئے ہیں۔

۲۔ اسلام نے حقوق آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی انسانیت کو عطا کر دیے ہیں، جبکہ یورپ نے سخت جدوجہد کر کے کئی صدیوں کی کوششوں کے بعد جو حقوق حاصل کیے ہیں، اسلام میں یہ حقوق انسان کو کسی قوت یا انسان نے عطا نہیں کیے بلکہ یہ خدا کی طرف سے عطا کردہ حقوق ہیں جو زمینی، نسلی اور علاقائی امتیازات واختلافات سے بالاتر ہیں کیونکہ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔

۳۔ اسلام میں انسان کو عطا کردہ حقوق میں کوئی دنیاوی طاقت مداخلت کر کے کمی و بیشی نہیں کر سکتی۔

۴۔ یورپی قوانین خاص علاقے اور خاص اقوام کے ساتھ مخصوص ہیں بعض قوانین میں یورپی یونین کے شہریوں کو جو حقوق ہیں وہ باقی انسانوں کو وہاں پر حاصل نہیں ہیں۔

۵۔ یورپ نے خود کو سیکولر قرار دے کر ایک بہت بڑی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ ہر جگہ لوگ مذہب کا تصور رکھتے ہیں اور مختلف مذاہب کے لوگ رہتے بھی ہیں اور مذہبی اقلیتیں موجود بھی ہیں لیکن سیکولر قراد دینے کے بعد مذہبی اقلیتوں کے لیے الگ قانون میں جگہ نہیں دی گئی۔

۶۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حقیقت میں کسی چیز کا وجود ہو لیکن اسے ماننے سے انکار کر دیا جائے۔ اس سے یورپ میں مذہبی اقلیتوں کے بنیادی حقوق کی حق تلفی ہوتی ہے۔ وہ کبھی اکثریت کے برابر آکر اپنے حقوق کی جدوجہد نہیں کر سکتے کیونکہ مغرب کے جمہوری نظام میں کسی بھی طرح کی قانون سازی منظور کروانے کے لیے کثرت رائے کہاں سے لائے؟۔

۷۔ اس طرح اقلیتیں اکثریت کے زیر سایہ رہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے کوئی الگ قانون سازی نہیں کی گئی ہے۔

تجاویز و سفارشات

۱۔ اسلام جامع نظام حیات کا حامل ہے، اس کے ہر ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا چاہئیے، جو انسان کے لیے باعثِ سعادت ہے۔

۲۔ دیگر نظامہائے زندگی کے مقابلے میں اسلام کو فوقیت دینا چاہئیے، جو انسان کو دنیا و آخرت کی سعادت سے ہم کنار کرتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1.WPickles,TheFrenchConstitutionofOctober4th,1958,Londonpress,1960,P5

2. Censer, Jack, and Lynn Hunt., *equality, fraternity: exploring the French Revolution*. Penn State Press, 2001. P:50

3.ibid,P/53

۴۔ابن سعد، أبو عبداللہ محمد ،الطبقات الکبری، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۹۷ء، ج ۳، ص ۲۸۸

۵۔ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم کتاب الخراج، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸، ص: ۱۵۵

٦۔ محمد بن سعد ،الطبقات الکبیر، تحقیق: علی محمد عمر، مکتبۃ استنبول ،۲۰۰۱، ۲۴۹:۱

۷۔ سورۃ النساء: ۴:۱۴۸

۸۔الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، بیروت، دار الرسائل العلمیہ، ۲۰۱۰ء، ج ۴، ص ۴۷۱

۹۔سورۃ البقرۃ: ۲:۳۰

۱۰۔سورۃ النساء: ۴:۵۹

۱۱۔سورۃ الرحمٰن: ۵۵:۱۷

۱۲۔سورۃ الاعرف: ۷:۱۲

۱۳۔سورۃ الاعرف: ۷:۱۳

۱۴۔سورۃ الحجرات: ۴۹:۱۳

۱۵۔سورۃ الانعام: ٦:۱٦۴

۱٦۔سورۃ فاطر: ۳۵:۱۸

۱۷۔سورۃالاسراء:۱۷:۱۵

۱۸۔سورة الحجرات:۴۹:۱۲

۱۹۔سورة النور:۲۴:۴

۲۰۔سورة النور۲۴:۴

۲۱۔سورة البقره:۲:۲۵۶

۲۲۔سورة یونس:۱۰:۹۹

۲۳۔سورة آل عمران:۳:۱۱۰

۲۴۔ المقریزی، تقی الدین أحمد بن علی، إمتاع الأسماع بما للنبی من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع ، دار الكتب العلمية بیروت، ۱۹۹۹ء، ج۱،ص ۳۷۸

۲۵۔طنطاوی،قصہ حیاۃ عمر،ص:۲۸۷

۲۶۔ شبلی نعمانی،سیرت النبی ﷺ،مکتبہ مدینہ،لاہور ۱۹۸۸ء،ج۱،ص۱۱۲

۲۷۔ منقذ بن محمود السقار، التعايش مع غير المسلمين في المجتمع المسلم ،رابطة العالم الإسلامي ،مكة المكرمة، ۲۰۰۶ء، ج۱،ص۳۱

۲۸۔امام ابویوسف،کتاب الخراج،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۹۹۸ء،ص۱۲۴

۲۹۔ المتقي الهندي ،علاء الدين علي بن حسام الدين، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، دارالکتب العلمیہ ، بیروت، ۲۰۰۴ء، ج۲،ص۴۵۵

۳۰۔عبدالرزاق، ابو بكر بن همام صنعانی، المصنف، المكتب الاسلامی، بیروت لبنان- ۱۴۰۳ھ، رقم ۱۸۸۱ ۲۰۲

۳۱۔سورة البقره۲:۱۸۸

۳۲۔سورة النساء:۴:۳۳